قید و جیل کے شرعی احکام

تحریر: صوبیدار لطیف اللہ

قید و جیل کا معنی و مفہوم : لغت انگریزی میں اس مفہوم کیلئے استعمال ہونے والا لفظ Prison ہے جس کے معنی ہیں جرائم کے مرتکب افراد کو قید کرنے کی عمارت' زیر حراست یا قید وبند کرنے کی جگہ (۱)

لغت عربی میں اس مفہوم کیلئے ایک لفظ حابسہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں روکے رکھنا ' حراست میں رکھنا ' احتبس الرجل کے معنی ہیں روکنا' قید کرنا اور الحبس کے معنی ہیں قید خانہ' جیل وغیرہ (۲)

عربی زبان میں قید و جیل کیلئے استعمال ہونے والا دوسرا لفظ "السجن" ہے جس کی جمع مسجون ہے' السجان کے معنی داروغہ جیل ہے اور السجین کے معنی قیدی ہیں۔(۳)

قرآن مجید میں قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر بالتفصیل کیا گیا ہے جس میں لفظ السجن بکثرت استعمال ہوا ہے۔(۴)

ورلڈ انسائیکلو پیڈیا میں جیل کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے :

Prison is an institution for confining and punishing people who have been convicted of committing a crime. Prisons punish criminals by severly restricting their freedom. (5)

ترجمہ : جیل ایک ایسا ادارہ ہے جس میں جرم کا ارتکاب کرنے والے افراد کو قید اور سزا دی جاتی ہے۔ جیلوں میں مجرموں کو ان کی آزادی پر سخت پابندی عائد کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔

نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں جیل کی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

Prison, an institution for the confinement of persons conviceted of major crimes or felonies. (6)

ترجمہ : جیل بڑے جرائم یا سنگین جرائم کے مرتکب افراد کو قید و بند کرنے کا ادارہ ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ قید خانہ اور جیل خانہ سے مراد ایسی عمارت یا جگہ ہے جہاں مجرموں' قانون شکن افراد اور سزا یافتہ اشخاص کو محبوس رکھا جاتا ہے۔

قید و جیل کی اسلامی تاریخ : آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے زمانہ میں عہد جدید کی نوعیت کے جیل خانوں کا وجود نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اتنا کافی خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کیلئے لوگوں سے ملنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیئے جائیں ۔اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مجرم کو ایک گھر یا مسجد میں بند کر دیا جاتا تھا اور اس کے مخالف کو اس پر متعین کر دیا جاتا تھا کہ وہ مجرم کو لوگوں سے ملنے جلنے نہ دے۔ عہد رسالت ﷺ میں کوئی قید خانہ مجرموں کو محبوس کرنے کیلئے نہ تھا۔(۷)

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں جب مملکت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوا تو آپ ؓ نے ملکی انتظام و انصرام کے سلسلہ میں جو انقلابی اقدامات اٹھائے اور نظام حکومت کا جو جدید ڈھانچہ تشکیل دیا جس کی نظیر موجودہ دور کی مہذب اور ترقی یافتہ حکومتیں بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں وہاں جیل خانہ کی ایجاد کا کارنامہ بھی خلیفہ ثانی ؓ کے حصہ میں آتا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی ؒ اپنی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں :

> "اس صیغے میں حضرت عمر ؓ کی ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں محنت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر ؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری ؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ اسوقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے۔ اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔ جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر ؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی"(۸)

قید و جیل کے متعلق اسلام کی فقید المثال ہدایات :اسلام ایک مکمل

دین اور ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کی زندگی کے ہر شعبے کیلئے ہدایت اور راہنمائی موجود ہے۔
قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"(۹)

(آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔)

فہم دین کیلئے اللہ تعالی نے قرآن مجید کو نازل کیا۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود ایک جامع کتاب ہے۔ اور جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس میں اصول اور کلیات بیان ہوئے ہوں۔ مکمل دین کیلئے ضروری ہے کہ اس کا مجموعہ قوانین مدون و محفوظ ہو چنانچہ قرآن مجید ایسا مدون و محفوظ مجموعہ قوانین ہے جو اصول و کلیات پر مشتمل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

"مافرطنا فی الکتاب من شئی"(۱۰) اس کتاب میں ہدایت کی ہر چیز بیان کر دی گئی ہے)

قرآن مجید کے ان ہی اصول کی تصریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب اور دین ہے جس میں بنی نوع کیلئے ہر دور میں پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ اب رہی وضاحت طلب بات یہ کہ دین کس چیز کو کہتے ہیں اس سوال کا مکمل اور جامع جواب لسان نبوت سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں :

"عن تمیم الداریؓ ان النبی ﷺ قال الدین النصیحة قلنا لمن قال للہ ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتھم"(۱۱)

(حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا کس کیلئے آپؐ نے فرمایا اللہ کیلئے، اس کی کتاب کیلئے، اس کے رسول ﷺ کیلئے، مسلمانوں کے ائمہ اور عام لوگوں کیلئے)

اس حدیث مبارکہ میں دین کو نصیحت بتایا گیا ہے اس لئے محدثین نے "الدین النصیحة" کی حدیث کو جامع الکلم میں شمار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یہ حدیث بھی جوامع الکلم میں سے ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشا کو ادا کر دینا ہے کیونکہ دین کا کوئی

شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں 'اللہ' کتاب اللہ' رسول اللہ ائمہ امت و پیشوایان ملت اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے اور یہی کل دین ہے۔

عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ ان کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا خیال رکھا جائے' ان کا نفع اپنا نفع اور ان کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے۔ جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علی فرق مراتب ان کے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت و تعاون کے مقرر ہیں ان کو ادا کیا جائے۔ (۱۲)

اس وضاحت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نصیحت دوسروں کیلئے بے غرض ہمدردی اور حقوق کی ادائیگی کا نام ہے۔ حقوق کی حفاظت اور ادائیگی و اہتمام کی خاطر اللہ تعالی نے انبیاء کرام علیھم السلام مبعوث فرمائے۔ چنانچہ بعثت انبیاء کرام کا ایک بڑا مقصد قیام عدل و انصاف اور حفاظت حقوق انسانی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"لقدارسلنارسلنابالبینت وانزلنامعھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ۔ وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس"(۱۳)

(ہم نے اپنے پیغمبروں کو صاف صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کیلئے کئی فائدے ہیں۔)

قرآن مجید کی اس آیت میں پیغمبروں کے ساتھ تین چیزیں نازل کرنے کا ذکر ہے جن میں سے اول چیز کتاب ہے جو حق کے سمجھنے اور سمجھانے کیلئے ضروری ہے۔ دوسری چیز میزان یعنی نظام عدل ہے جو حق کے استعمال کیلئے ناگزیر ہے۔ تیسری چیز لوہا ہے جو حق کے نفاذ کیلئے لازمی ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں حقوق کی کتنی اہمیت ہے اور ان کی حفاظت و ادائیگی کا اہتمام کس قدر ہے۔

قید و جیل کے متعلق اسلام کے احکام ان ہی حقوق کا ایک حصہ ہیں اور اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے ان بنیادی حقوق کی حفاظت و پاسداری کی ضمانت کس حد تک کی ہے۔ سب سے پہلے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے موجودہ دستور ۱۹۷۳ء میں بنیادی حقوق سے متعلق شخصی آزادی کے تحفظ کا جائزہ لیں گے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا موجودہ دستور اور شخصی آزادی کا تحفظ

اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور ۱۹۷۳ء کا حصہ دوم بنیادی حقوق سے متعلق ہے اور یہ بنیادی حقوق کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

بنیادی حقوق سے متعلق شخصی آزادی کے ضمن میں اس دستور میں یہ تصریح ملتی ہے کہ :

"کسی شخص کو زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے جب کہ قانون اس کی اجازت دے۔"

گرفتاری اور نظر بندی سے تحفظ کے متعلق اس دستور میں درج ہے :

"کسی شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو مذکورہ گرفتاری کی وجوہ سے جس قدر جلدی ہو سکے آگاہ کئے بغیر نہ تو نظر بند رکھا جائے گا اور نہ اسے اپنی پسند کے کسی قانون پیشہ شخص سے مشورہ کرنے اور اس کے ذریعہ صفائی پیش کرنے کے حق سے محروم کیا جائے گا"

ہر اس شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو اور نظر بند رکھا گیا ہو مذکورہ گرفتاری سے چوبیس گھنٹے کے اندر کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا لازم ہوگا لیکن مذکورہ مدت میں وہ وقت شامل نہ ہوگا جو مقام گرفتاری سے قریب ترین مجسٹریٹ کی عدالت تک لے جانے کیلئے درکار ہوگا اور اسے کسی شخص کو کسی مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر مذکورہ مدت سے زیادہ نظر بند نہیں رکھا جائے گا"(۱۴)

مملکت پاکستان کا یہ دستور شخصی آزادی کے تحفظ کے ضمن میں اسلام کے زریں اور سنہری اصولوں اور اس کی حسین و دلنشیں ہدایات و تعلیمات کا آئینہ دار ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پورے خلوص اور کامل دیانت داری سے آئین کے ان آرٹیکلز پر عمل پیرا ہو جائیں۔

اسلام میں شخصی آزادی کا تحفظ :اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں شخصی آزادی کے تحفظ کا جائزہ لینے کے بعد یہ جانتے ہیں کہ اسلام میں شخصی آزادی کا تحفظ کس حد تک کیا گیا ہے۔

اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے آزادی کی جو نعمت اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو عطا کی ہے اسے کوئی فرد، کوئی ادارہ اور کوئی صاحب حیثیت و اختیار ہستی بھی ختم نہیں کر سکتی جس

کی نشاندھی قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے :

"ماکان لبشر ان یؤتیه الله الکتب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادالی من دون الله" (۱۵)

(کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔)

اللہ کے احکام کے تابع ہی انسان کے فعل کا مواخذہ کیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ زریں میں کسی شخص کو بدوں سماعت مقدمہ سزا نہیں دی جاتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کیلئے کافی ہے :

"عن بهزبن حکیم عن ابیه انه (ای جده) قام الی النبی ﷺ وھو یخطب فقال جیرانی بما اخذوا فاعرض له مرتین ثم ذکر شیئاً فقال النبی ﷺ خلوا له عن جیرانه" (۱۶)

(بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے دادا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے (خطبہ کی وجہ سے) دو مرتبہ تو ان کے سوال کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن انہوں (سائل) نے پھر کچھ کہا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے پڑوسیوں کو رہا کر دو۔)

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بھی شخصی آزادی کے تحفظ کی زریں مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اس قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے :

"مذکم تعبد تم الناس وقد ولد تمم امهاتهم احراراً" (۱۷)

(تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا)

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک اور مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے :

"لا یوسر رجل فی الاسلام بغیر العدول" (۱۸)

(اب کوئی شخص مسلمان بغیر معتبر گواہوں کے قید نہ کیا جائے گا)

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب "اسلامی ریاست" میں لکھتے ہیں :

"پھر اسلام کی رو سے چونکہ وجود حکومت کوئی مقصود بالذات شے نہیں ہے بلکہ وہ محض ایک ذریعہ ہے اس بات کا کہ شہریوں کو رائے و عمل کی وہ آزادی بہم پہنچائی جائے جو اسلام نے افراد معاشرہ کو بخشی ہے تاکہ آزمائش کی وہ غرض کماحقہ پوری ہو سکے جس کی خاطر ہی اللہ تعالی نے انسان کو اس زمین پر پیدا کیا ہے اس وجہ سے اسلام کسی غیر معمولی حالت (State of Emergnecy) میں بھی حکومت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ انصاف کی شرطیں پوری کیے بغیر کسی شہری کی آزادی کو سلب یا محدود کر دے" (۱۹)

شخصی آزادی کے حوالے سے حضرت علیؓ کا طرزِ عمل مثالی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کے دورِ خلافت میں خارجی فرقے کا ظہور ہوا جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کا سیلاب بپا کر رکھا تھا لیکن انہوں نے اپنی مخالفت میں کسی خارجی کو جیل میں ڈالا نہ سزا دی وہ اس اصول اسلام پر سختی سے کاربند رہے کہ جب تک وہ مسلح بغاوت نہیں کرتے انہیں گرفتار یا سزا نہ دی جائے۔

معروف مؤرخ ابن کثیر نے خارجیوں کے متعلق حضرت علیؓ کی شاندار پالیسی کو ان زریں الفاظ میں بیان کیا ہے :

"تمہاری جانب سے ہم پر یہ فرض ہے کہ جب تک تم ہمارے خلاف خروج نہ کرو ہم تمہیں اپنی مساجد سے نہ روکیں اور جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہیں ہم تم سے غنیمت کے اس حصہ کو نہ روکیں جو تمہیں پہنچتا ہے اور جب تک تم ہم سے جنگ نہ کرو ہم تم سے جنگ نہ کریں" (۲۰)

حضرت علیؓ کے اس پالیسی سازبیان سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تصور عدل کسی حال میں بھی سربراہ ریاست کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ کسی شہری کی شخصی آزادی کو بغیر معروف عدالتی کاروائی کے سلب کر سکے۔

بدگمانی اور الزامات کی بناء پر قید و جیل کا عدم جواز :

بدگمانی اور الزامات کی بناء پر کسی شہری کو قید و جیل میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ کیونکہ بدگمانی

ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو ہر ایک کے کام میں بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے اور کسی کے کام میں اس کو حسن نیت نظر نہیں آتا۔ بدگمانی سے معاشرے میں نفرت اور عداوت کی فضا وسیع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ظاہری جرائم اور خلاف ورزیوں پر شہریوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں بدگمانی سے بچنے کی تاکید کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھاالذین امنوااجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولاتجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔ واتقواللہ ہ ان اللہ تواب رحیم"(۲۱)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسّس نہ کیا کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو' اللہ سے ڈرو اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔)

عصر جدید کے جلیل القدر اسلامی مفکر و مفسر اور تحریک اسلامی کے عظیم قائد و مجاہد سید قطب شہید اپنی معروف تفسیر "فی ظلال القرآن" میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ آیت اس فاضلانہ معاشرے کی حفاظت کیلئے ایک دوسری باڑ ہے جس میں ایک فرد کی آزادی اور اس کی عزت محفوظ ہوتی ہے اس طرح ان کو یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ وہ اپنے شعور اور اپنے ضمیر کا اظہار کس طرح کریں گے اور دوسروں کے بارے میں ان کی سوچ آئندہ کیا ہوگی۔ یہ نہایت ہی موثر انداز میں بیان ہوا ہے۔

اس کا آغاز بھی پیاری آواز سے ہوتا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے بارے میں بہت زیادہ گمان اور برے گمان سے باز رہو۔ کسی کے بارے میں اپنے فیصلے شکوک و شبہات پر نہ کرو اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ "ان بعض الظن اثم" کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں زیادہ زور "بعض الظن" پر ہے یعنی بعض گمان گناہ ہوتے ہیں یعنی بدگمانی گناہ ہے کیونکہ کوئی یہ معلوم تو نہیں کر سکتا کہ میرا کون سا ظن صحیح اور کون سا غلط ہے۔ لہذا کسی پر کوئی بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

ولاتجسسوا۔ تجسّس نہ کیا کرو۔ بسااوقات تجسّس بدگمانی ہی کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات لوگوں کے راز معلوم کرنے کیلئے ہوتا ہے اور لوگوں کی کمزوریاں معلوم کرنے کیلئے قرآن مجید اس گھٹیا حرکت کو اخلاقی نقطہ نظر سے لیتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو اس قسم کے برے خیالات سے پاک کرتا ہے کہ کوئی کسی کے خفیہ حالات معلوم کرے اور اس کی کمزوریوں کے ٹوہ میں لگا رہے کیونکہ اخلاقی تطہیر میں اس کے مقاصد یہی ہیں کہ لوگوں کی پوشیدہ کمزوریوں کو نہ اچھالا جائے۔ لیکن یہ اصول محض اخلاقی ضابطے سے بھی آگے جاتا ہے اس کا تعلق اجتماعی پاکیزگی اور قانونی اور انتظامی معاملات سے بھی ہے۔ اسلام میں لوگوں کی بعض آزادیاں، بعض عزتیں اور بعض شرافتیں یہی ہیں کہ ان پر کسی صورت میں دست درازی جائز نہیں۔

اسلام کے فاضلانہ معاشرے میں لوگوں کی جان' ان کی چار دیواری' ان کے راز' ان کی خفیہ کمزوریاں محفوظ ہوتی ہیں کسی وجہ سے بھی کوئی کسی کی جان' کسی کے گھر' کسی کے رازوں اور کسی کی کمزوریوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ یہاں تک کہ اسلام میں ادارہ تحقیق و تفتیش جرائم کو بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ تجسّس کرے۔ اسلام لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہری حالات کے مطابق برتاؤ کرتا ہے اور کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے گھر اندر گھس کر اندرونی حالات معلوم کرے۔ اسلام ظاہری جرائم اور خلاف ورزیوں پر پکڑ تا ہے کسی کو ظن یا توقع پر نہیں پکڑا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے جرم کیا ہے یا کرنے والے ہیں۔ اسلام میں پکڑ دھکڑ ارتکابِ جرم کے بعد ہے۔ اس طرح گرفتاری کیلئے دوسرے تحفظات ہیں جو ہر جرم کیلئے علیحدہ ہیں۔ چنانچہ

امام ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے ابوبکر ابن شیبہ سے انہوں نے ابومعاویہ سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے زید ابن وھب سے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ آئے ان سے کہا گیا یہ فلاں ہے اور اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو تجسّس سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر کوئی چیز ہم پر ظاہر ہو گئی کہ اس کا ارتکاب کیا گیا ہے تو ہم پکڑتے ہیں اور مجاہد نے کہا کہ تجسّس نہ کرو لوگوں کو ان کے ظاہری افعال پر پکڑو جو بات اللہ نے چھپا دی ہے اسے چھپا رہنے دو۔

امام احمدؒ نے دجین کاتب عقبہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عقبہ سے کہا ہمارے بعض پڑوسی شراب پیتے ہیں ۔ میں ان کے خلاف پولیس کو بلانے والا ہوں کہ ان کو پکڑ لیں تو حضرت عقبہ نے کہا کہ ایسا نہ کرو بلکہ ان کو نصیحت کرو اور دھمکی دو۔ کہتے ہیں انہوں

نے ایسا کیا۔ وہ باز نہ آئے تو دجین پھر ان کے پاس آئے کہ میں نے توانہیں روکا وہ نہ رکے۔ اب تو میں ان کیلئے پولیس بلانے والا ہوں اس کو عقبہ نے کہا تم ہلاک ہو جاؤ ایسا نہ کرو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس نے ایک مومن کی پردہ پوشی کی اس نے گویا ایک زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو قبر سے نکال لیا۔

سفیان ثوریؒ نے راشد ابن سعد سے انہوں نے حضرت معاویہؓ ابن ابو سفیان سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا تم لوگ اگر لوگوں کی خفیہ باتوں کی ٹوہ میں لگو گے تو ان کو برباد کر دو گے یا قریب ہے کہ ان کو برباد کر دو" اس پر حضرت ابو الدرداء نے کہا یہ ایک بات ہے جو حضرت معاویہؓ نے حضور ﷺ سے سنی اللہ اسے اس کے ذریعے نفع دے۔ (۲۲)

قرآن مجید میں ایک اور ارشاد ہے:

"یایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم ندمین" (۲۳)

(اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے آئے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے علمی میں ضرر پہنچاؤ پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو۔)

پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ ضیاء القرآن میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہر سوسائٹی میں ایسے سفلہ مزاج لوگ ہوتے ہیں جن کا محبوب مشغلہ بے پر کی اڑانا اور غلط افواہیں پھیلانا ہوتا ہے ایسی افواہیں خاندانوں، قبیلوں بسا اوقات قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑی سختی سے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرما رہا ہے۔ خبردار اگر کوئی فاسق اور بدکار تمہارے پاس کوئی اہم خبر لے آئے تو اس کو فوراً قبول نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹ بک رہا ہو اور تم اس کی جھوٹی خبر سے مشتعل ہو کر کوئی ایسی کاروائی کر بیٹھو جس پر خوفناک نتائج مرتب ہوں اور پھر تم ساری عمر فرط ندامت سے کفِ افسوس ملتے رہو۔ اس لئے جب کوئی خبر تمہارے کانوں تک پہنچے تو اس کو بے تحقیق تسلیم کر لینا قطعاً قرین دانش مندی نہیں۔ پہلے اچھی طرح چھان پھٹک کر لو اور پھر مناسب قدم اٹھاؤ۔

خیال رہے کہ یہاں النباء کا لفظ مستعمل ہے اور عربی میں النباء غیر اہم خبر کو نہیں

کہا جاتا بلکہ ایسی خبر جس سے دوررس نتائج نکل سکتے ہوں اس کو نباء کہتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانیؒ اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : النباء خبر ذوفائدة عظیمة (مفردات) امام ابوبکر جصاصؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ومقتضی الایة ایجاب التثبت فی خبرالفاسق والنهی عن الاقدام علی قبوله الابعد التبین" (یعنی اس آیت کا مقتضی یہ ہے کہ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا واجب ہے جب تک حقیقت حال پوری طرح واضح نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ جن امور کا حقوق کے ساتھ تعلق ہے فاسق کی شہادت مردود ہو گی روایت حدیث میں بھی اس کا کوئی اعتبار نہ ہو گا کسی قانون، کسی شرعی حکم اور کسی انسان کے حق کے ثبوت کیلئے بھی اس کی خبر غیر معتبر اور غیر مقبول ہو گی (احکام القرآن للجصاص)

نادمین۔ علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں کہ ندامت ایک خاص قسم کے غم کو کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تو ایسی بات پر غم زدہ ہو جس کا تجھ سے ارتکاب ہوا ہے۔ اور جس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ کاش میں نے یہ کام نہ کیا ہوتا۔

"الندم ضرب من الغم وهوان تغتم علی ماوقع منک تتمنی انه لم یقع" (کشاف)(۲۴)

(اسلام بدگمانیوں کی بناء پر شہریوں کی آزادی پر حملہ کو نہایت خطرناک قرار دیتا ہے۔) کیونکہ اس سے افراد معاشرہ کی تمدنی واجتماعی صلاحیتوں کو سخت دھچکا لگتا ہے۔ معاشرہ باہمی نفرت وعداوت کا شکار ہو کر تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کی ایسی بدنظمی اور بدحالی کے تدارک کیلئے بدگمانی سے اجتناب کیلئے یوں تاکیدی ارشاد فرمایا :

"ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث"(۲۵)

(تم بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔)

اسلام کسی فرد کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی شہری کو بے بنیاد الزامات کی بناء پر پابند سلاسل کرے حتی کہ سربراہ حکومت بھی شبہات کی بناء پر شہریوں کو قید وجیل نہیں بھیج سکتا۔ اگر سربراہ حکومت جھوٹی خبروں اور افواہوں کی بنیاد پر پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کرے گا تو اس سے ریاستی نظام منہدم ہو جائے گا۔ اسی خطرے کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے اس بنیادی اصول کو یوں بیان فرمایا ہے :

" عن ابی امامة عن النبی ﷺ قال ان الامیر اذا بتغی الریبة فی الناس افسدهم "(۲۶)

(حضرت ابو امامہؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس وقت امیر اپنی رعیت میں شک کی باتیں تلاش کرتا ہے تو پھر ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے)۔

قاضی ابو یوسفؒ کے ایک قول سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محض الزام کی بنیاد پر کسی شخص کو قید و گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ امام موصوف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں :

"یہ بات جائز نہیں نہ اس کی کوئی گنجائش ہے کہ کسی شخص کو صرف اس لئے قید میں ڈال دیا جائے کہ دوسرے نے اس پر تہمت لگادی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تہمت کی بناء پر لوگوں سے مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ کو ایک جگہ حاضر کیا جائے اگر مدعی دعوی کے حق میں گواہ پیش کر سکے تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے ورنہ مدعی علیہ سے ایک آدمی کی ضمانت لے کر اسے چھوڑ دیا جائے اگر مدعی اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کرتا ہے (تو دوسری بات ہے) ورنہ اس شخص سے تعرض نہ کیا جائے گا"(۲۷)۔

اسلام شہریوں میں اعلی کردار واوصاف پروان چڑھانے کی پرزور حمایت کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس بات کو لازمی قرار دیتا ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں شک و شبہ سے کام لینے کی بجائے حسن ظن اور اعتماد و یقین کی پالیسی اختیار کی جائے۔ اسباب سزا دینے کے نہیں بلکہ برأت وخلاصی کے ڈھونڈنے چاہئیں کیونکہ ایک شہری کو معاف کر دینے میں غلطی کر جانا اسلام کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کو سزا دینے میں غلطی کی جائے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے :

"عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ ادروا الحدود عن المسلمین مااستطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة"(۲۸)

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ پس اگر اس کیلئے کوئی راستہ نکلے تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام کا غلطی سے معاف کر دینا اس سے بہتر ہے کہ غلطی سے سزا دے)

ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے :

"عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ادفعوا الحدود ما وجدتم له مدفعاً"(۲۹)
(حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جہاں ہو سکے وہاں (شبہ کی وجہ) سے حدود کو رفع کرو)۔

حضور اکرم ﷺ کی ان احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام اپنے شہریوں کو محض شکوک و شبہات، من گھڑت الزامات اور بد گمانی کی بنیاد پر پکڑ دھکڑ، قید و بند اور سزا دینے کی اجازت نہیں دیتا تو پھر ایک اسلامی ریاست سے یہ توقع کرنا بھی خام خیالی ہے کہ وہ اپنی حدود و وسعت میں رہنے والے افراد کا ان کا جرم ثابت کیے بغیر دست درازی کرنے کا سوچ بھی سکے۔

کسی شہری کو اس کا جرم ثابت کیے بغیر گرفتار کرنے اور گرفتار رکھنے کی جو زیادہ سے زیادہ گنجائش اسلامی قانون میں ہے وہ بس اس حد تک ہے کہ کسی معاملہ کی تفتیش و تحقیق کیلئے کچھ دیر کیلئے اس کو زیر حراست رکھ لیا جائے۔ تفتیش کے بعد اگر وجوہ موجود ہیں تو اس پر مناسب عدالت میں با قاعدہ مقدمہ چلایا جائے جہاں اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کے پورے مواقع حاصل ہوں اور اگر وجوہ موجود نہیں ہیں تو اس کو فوراً آزاد کر دیا جائے۔

چنانچہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

"ان الحبس علی ضربین حبس عقوبة وحبس استظهار فالعقوبة لا تکون الا فی واجب واماماکان فی تهمة فانمایستظهر بذالک یستکشف به عماوراه وروی انه حبس رجلا فی تهمة ساعة من النهارثم خلی عنه"(۳۰)
(حبس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سزا کے طور پر اور دوسرا پوچھ گچھ تفتیش کیلئے۔ جو سزا کے طور پر ہے وہ صرف اس حالت میں جائز ہے جب (جرم ثابت اور) سزا از روئے قانون واجب ہو۔ باقی اگر کسی شخص پر کوئی الزام ہو تو پوچھ گچھ کیلئے اسے روک سکتے ہیں۔ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ کسی الزام میں کسی شخص کو کچھ دیر کیلئے روکا پھر اسے رہا کر دیا۔)

جسمانی ریمانڈ میں توسیع اور جبر و تشدد سے اعتراف جرم:

ملزموں کے جسمانی ریمانڈ میں توسیع کر کے جبر و تشدد اور ظلم و زیادتی سے اعتراف جرم کرانے کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اکثر اوقات ملزم مار پیٹ اور جسمانی تشدد سے خوف کھا کر اعتراف جرم کر لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

"جس شخص کو بھوکا رکھا جائے یا ڈرایا جائے یا قید میں بند رکھا جائے اس سے بعید نہیں کہ اپنے خلاف کسی جرم کا اقرار کر لے"(۳۱)۔

امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

> "جس شخص پر چوری یا کسی دوسرے جرم کے ارتکاب کا شبہ ہو اسے مارنا پیٹنا یا ڈرانا دھمکانا نہیں چاہیے جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہو وہ اگر چوری، قتل یا کسی قابل حد جرم کا اقرار کر لے تو اس کا یہ اقرار ناقابل لحاظ ہوگا۔ کسی طرح یہ جائز نہ ہوگا کہ ایسے اقرار کی بناء پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا جس چیز کا اقرار کیا ہو اس کا مواخذہ کیا جائے"(۳۲)

امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> "مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت زہری یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا طارق کے پاس شام میں ایک آدمی لایا گیا جس کو چوری کی تہمت لگا کر پکڑ لیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے مارا تو اس نے چوری کا اقرار کر لیا۔ انہوں نے اسے عبداللہ بن عمرؓ کے یہاں بھیج کر اس کے بارے میں استفسار کیا تو آپؓ نے فرمایا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے یہ اقرار اس وقت کیا ہے جب انہوں نے اسے مارا"(۳۳)

جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن حضرت علیؓ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک غیر آباد مقام پر ایک شخص کو خون آلود چھرا لئے ہوئے پکڑا گیا اس شخص کے سامنے خون میں ڈوبی ہوئی ایک لاش پڑی تھی۔ حضرت علیؓ نے اس شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کو میں نے ہی قتل کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ قاتل کو لے جا کر قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ جب اس شخص کو قتل کیلئے لے جایا گیا تو ایک شخص بڑی عجلت کے ساتھ اس مقام پر پہنچا اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ آپ لوگ اس کے قتل میں عجلت سے کام نہ لیں۔ اس کو حضرت علیؓ کی خدمت میں واپس لے چلیں۔ سپاہیوں نے اس کو حضرت علیؓ کی خدمت میں واپس لا کر حاضر کر دیا۔ اس دوسرے شخص نے عرض کیا یا امیر المؤمنین اس مقتول کا قاتل یہ شخص نہیں ہے بلکہ میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے اول شخص سے فرمایا وہ کیا بات تھی جس نے تم کو اس اقرار پر آمادہ کیا کہ تم نے کہہ دیا میں نے اس کو قتل کیا ہے۔

اس نے عرض کیا امیر المؤمنین میرے پاس سوائے اقرار کر لینے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کیونکہ جب ایک شخص کو ایک ایسی لاش کے پاس جو خون آلود ہو اور اس شخص کے ہاتھ میں جو اس کے پاس کھڑا ہے خون آلود چھری بھی ہو اسی حالت میں اس کو پولیس کے سپاہی گرفتار کر لیں پھر مقام بھی غیر آباد ہو اس کے انکار قتل پر کون یقین کرے گا۔ لہذا مجھے یہی خوف پیدا ہوا کہ میری بات کا ہرگز یقین نہیں کیا جائے گا سوائے اقرار کے۔ چنانچہ میں نے ناکردہ گناہ کا اقرار کر لیا اور اپنی جان کے متعلق اللہ تعالی کی جزا اور ثواب کا طالب ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے یہ اچھا نہ کیا پورا واقعہ بیان کرو!

کہنے لگا امیر المؤمنین! میں قصاب ہوں علی الصبح تاریکی میں اپنی دکان پر پہنچا اور گائے ذبح کر کے اس کی کھال اتارنے لگا۔ اسی دوران مجھے پیشاب کی سخت ضرورت لاحق ہوئی۔ چنانچہ ہاتھ میں چھری لیے ہوئے اس غیر آباد مقام پر پیشاب سے فارغ ہونے کیلئے پہنچا۔ پیشاب سے فارغ ہو کر اپنی دکان کی جانب واپسی کے ارادے سے چلا تو مجھے یہ خون آلود لاش نظر آئی۔ اس کو دیکھا تو مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور اسی حالت میں کہ میں خوفزدہ اس کو دیکھ رہا تھا کہ پولیس کے گشتی سپاہی پہنچ گئے جنہوں نے مجھے موقع پر گرفتار کر لیا اور چھری جس سے میں نے گائے کو ذبح کیا تھا وہ میرے ہاتھ میں تھی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ جنہوں نے کہا کہ اس شخص کو اسی شخص نے قتل کیا ہے۔ دوسرا کوئی شخص قاتل نہیں ہو سکتا جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ میری بات آپ کے نزدیک ان کے مقابلہ میں کسی طرح مقبول نہ ہو گی۔ لہذا میں نے ناکردہ جرم کا اقرار کر لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے دوسرے اصل مجرم سے سوال فرمایا: تم اپنا واقعہ بیان کرو۔

"اس نے کہا ابلیس شیطان کے بہکانے کی بنا پر اس مقتول کے مال کے لالچ میں میں نے اس کو قتل کیا اور جب پولیس کی آمد کی آہٹ محسوس کی تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی حالت میں یہ قصاب آ گیا اور اسی طرح جس طرح اس نے بیان کیا ہے اس کو سپاہیوں نے گرفتار کر لیا۔ آپ کی خدمت میں لے آئے۔ میں خود اس وقت اسی ویرانے میں ایک مقام پر پوشیدہ تھا۔ جب آپ نے اس کے قتل کا

حکم دیا تو میرے ضمیر نے مجھے ٹھوکا دیا اور آمادہ کیا کہ میں اپنے جرم کا اقرار کرلوں اور ایک شخص کو جو معصوم ہے اس سے محفوظ رکھوں۔ لہذا میں نے سچ کا اقرار کرلیا تاکہ اس معصوم کی جان ضائع نہ ہو" (۳۴)

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جبر و تشدد اور مار پیٹ سے اعتراف جرم کرا کر کسی شہری کو قید و جیل میں نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ ہی اسے کوئی سزا دی جا سکتی ہے۔ جب تک اسے اسلام کے معروف عدالتی طریقہ کار کے مطابق مجرم نہ قرار دیا جائے۔

قید و جیل میں قیدیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی ممانعت :

اسلام میں قانون کی نظر میں مسلم، غیر مسلم حاکم، محکوم، امیر، غریب، مزدور اور آقا سب برابر ہیں۔ ارشاد الہی ہے:

"یَادَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" (۳۵)

(اے داؤد علیہ السلام ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے)

اسلامی ریاست میں قانون کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اسلام میں ایک عام آدمی سے لے کر رئیس مملکت تک تمام افراد قانون کی نظر میں مساوی ہیں اور قانون کے تابع ہیں۔ ارشاد الہی ہے:

"فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَ ھُمْ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الْحَقِّ" (۳۶)

(اے رسول اللہ ﷺ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر)۔

ایک اور جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ" (۳۷)

(جو لوگ اللہ اور رسول کے مقررہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات بینات سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ اسلام نے عدالتی معاملات میں ہر فرد کے درمیان ہر لحاظ سے ترازو کو برابر رکھا ہے۔ قانون کی نظر میں بڑے سے بڑا

آدمی اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی برابر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

"اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم" (۳۸)

(اللہ کی حدیں بلا تمیز قریب اور بعید سب پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والی کی پرواہ نہ کرو)

عہد نبوی ﷺ کا ایک مشہور واقعہ ہے جس سے اسلام میں قانون کی بالادستی اور حکمرانی کی حقیقی روح نکھر کر سامنے آتی ہے۔ قریش کی ایک مخزومی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ لوگوں کو فکر ہوئی کہ اگر اس کو سزا ہو گئی تو ہماری جگ ہنسائی ہو گی۔ ان لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر عورت کو چھوڑ دینے کی سفارش کریں۔ جب حضرت اسامہؓ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور اپنا مافی الضمیر بیان کیا تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"انما اھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا" (۳۹)

(تم سے پہلے والے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا' اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا)۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اور بیعت عامہ کے بعد ایک مختصر و جامع تقریر کی۔ اس میں آپؓ نے اپنی آئندہ سیاسی حکمت عملی کو واضح کرتے ہوئے قانونی مساوات کا ذکر ان شاندار الفاظ میں بیان فرمایا :

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں فلاح و بہبود کے کام کروں تو میری امداد کرنا ورنہ اصلاح کر دینا۔ صدق وصفائی اپنا دیانتدارانہ فرض خیال کروں گا۔ کذب و دروغ منصبی خیانت تصور کروں گا۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک طاقتور ہو گا۔ ظالم سے اس کا حق دلا کر رہوں گا۔ تم میں سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہو گا ان شاء اللہ مظلوم کا حق اس سے دلاؤں گا۔ دیکھو تم میں سے کوئی جہاد ترک نہ کرے جس قوم نے اس

سے اجتناب کیا وہ دینا میں اپنی عزت قائم نہیں رکھ سکتی۔ میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت ضروری نہیں"(۴۰)۔

مولانا عبدالسلام ندویؒ اپنی کتاب "اسوہ صحابہ" میں خلفائے راشدین کی قانونی مساوات اور قانون کی بالادستی کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا تو رعایا کا ہر فرد اس کی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا۔ ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلان فرمایا کہ میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا۔ سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے لیکن ایک بدو ہاتھ میں مہار لیے ہوئے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا۔ جب اونٹ کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ اسی مہار سے اپنا قصاص لو۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ سنت نہ قائم کیجئے! بولے قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا"(۴۱)

مولانا عبدالسلام ندویؒ مزید لکھتے ہیں:

"ایک بار حضرت عمرؓ امورِ خلافت میں مشغول تھے۔ ایک شخص فریاد لے کر آیا۔ انہوں نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھایا۔ وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لے"(۴۲)

یہ واقعات تو خلفائے راشدینؓ کی اپنی ذاتی زندگی سے متعلق قانونی مساوات کی حقیقت اور صورت حال کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اب ان خلفائے راشدینؓ کے ماتحت امرا و عمال کے متعلق قانون کی حکمرانی اور بالادستی کے ضمن میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو آپؓ نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے اپنے عاملوں اور افسروں کی سرزنش اور تادیب کے متعلق ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے منہ پر چپت ماریں یا تمہارے مال چھین لیں۔ میں انہیں تمہارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمارا دین اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں جس کسی کے ساتھ دین اور سنت سے ہٹا ہوا سلوک کیا جائے اسے چاہیے کہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش

کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں متعلق افسر سے اس (مظلوم) کا بدلہ لے کر رہوں گا"۔

یہ سن کر عمرؓو بن العاص اچھل کر کھڑے ہو گئے اور بولے:

"امیر المؤمنین! کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی رعایا پر والی مقرر کیا گیا ہو اور وہ ان میں سے کسی کی تادیب کرے تو آپ اس سے اس آدمی کی جانب سے قصاص لیں گے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس سے ضرور قصاص لوں گا اور میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ سے قصاص دلواتے دیکھا ہے"۔

سنو! تم لوگ مسلمانوں کو مار کر انہیں ذلیل و خوار نہ کرو۔ ان کی حق تلفیاں کر کے ان کو کفر کی طرف مت دھکیلو اور انہیں لے کر جنگلوں اور دلدلوں میں نہ گھسو کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں" (۴۳)

مولانا عبدالسلام ندویؒ اپنی کتاب "اسوہ صحابہ" میں لکھتے ہیں:

"غیر قومیں جب حلقہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو عدم تعود کی بنا پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگواری ہوتی تھی۔ جبلہ ابن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا: کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکتا ہے۔ چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا" (۴۴)

علامہ ابو الحسن الماوردیؒ اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے حکام کو لکھا:

"انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو۔ قریب و بعید میں فرق و امتیاز اور رشوت سے بچو" (۴۵)

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا:

"سارے انسانوں کو اپنی نظر میں یکساں رکھو اور اپنی مجلس میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کرو تاکہ کمزوروں کو تم سے انصاف کی امید باقی رہے اور معززین میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ تم ان کی خاطر دوسروں پر زیادتی کر سکتے ہو" (۴۶)

حضرت علیؓ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی تو ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف قاضی شریح ؒ کی عدالت میں دعوی دائر کیا۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے ثبوت طلب کیا لیکن وہ قانون عدل کے مطابق ثبوت پیش نہ کر سکے۔ اس لئے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا۔ یہودی نے مقدمہ تو جیت لیا لیکن اس بات نے اسے بہت متاثر کیا کہ صدر حکومت نے عام شہری کیطرح عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور جج نے ان سے کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا نہ رکھا اور اسی بات پر وہ بہ رضا ور غبت ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (۴۷)

مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ ایک دفعہ قیصر روم کے دربار میں سفیر بن تشریف لے گئے تو آپؓ نے ایک موقعہ پر خلیفہ وقت کے متعلق فرمایا:

"ہمارا سردار ہم میں سے ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں گے اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کر دیں۔ اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زنا کرے تو سنگسار کریں اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ بھی اس کو اسی کی طرح گالی دے اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ لینا پڑے وہ ہم سے چھپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا۔ وہ ہم سے غرور نہیں کرتا۔ مال غنیمت میں اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے" (۴۸)

قرآن و حدیث کے ان نصوص اور آثار صحابہ کرامؓ سے قانونی مساوات اور قانون کی حکمرانی و بالادستی کی جو حقیقی روح نکھر کر سامنے آتی ہے اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عام قیدی ہو یا سیاسی قیدی، معزز ہو یا ادنی، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا رعایا سب کیلئے ایک ہی قانون ہے اور ایک ہی عدالت ہے۔ تمام کو ایک ہی عدالتی طریقہ کار کے ذریعے قید و جیل کی سزا دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

قید و جیل میں کلاس اے اور بی کا تصور:

اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں قرار دیتا ہے اور پیدائشی طور پر کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں۔ گورا ہو یا کالا ہو، مشرق کا رہنے والا ہو، مغرب کا رہنے والا ہو، کسی قوم، کسی نسل کسی علاقے کا رہنے والا ہو سب بحیثیت انسان برابر

ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوارَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَازَوْجَھَاوَبَثَّ مِنْھُمَارِجَالًا کَثِیْراً وَنِسَاءً"(۴۹)

(اے لوگو! اپنے رب کا تقوی اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔)

اسلام میں شرافت اور رذالت کی کسوٹی صرف دین و تقوی ہے اور اس کسوٹی پر لوگوں کو جانچنا اور ان کے شریف ورذیل کے درمیان امتیاز کرنا اللہ تعالی کا کام ہے کیونکہ باطنی امور کا علم صرف اللہ تعالی کو حاصل ہے۔ ان باطنی امور میں دخل دینے کا اختیار کسی فرد، گروہ اور ریاست کو حاصل نہیں۔ اسلامی ریاست کی تمام پالیسی ظاہری حالات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنے ہر شہری کو جو شہریت کی شرائط پوری کر رہا ہے معاشرتی مرتبہ کے لحاظ سے ایک ہی درجہ میں رکھتی ہے اور اسی حیثیت سے اس کے ساتھ معاملہ کرتی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے :

"یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍوَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"(۵۰)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کر دیا ہے تاکہ تمہاری آپس میں شناخت ہو۔ اللہ تعالی کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔)

حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت نے دورِ جاہلیت کے تمرد اور حسب و نسب کے فخر کو زمین بوس کر دیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :

"قداذھب اللہ عنکم غبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالاباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی والناس بنوادم وادم من تراب"(۵۱)

(اللہ تعالی نے اسلام کے ذریعے تم میں سے جاہلیت والے تکبر و غرور اور آباؤ اجداد پر تفاخر کو دور کر دیا ہے (اب یا تو) پرہیزگار مومن ہے یا بدکار شقی سب لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے تاریخی خطبہ حجۃ الوداع میں نسل، وطن، زبان اور رنگ کی

تفریق کو یہ کہہ کر مٹایا :

"ایھاالناس الاان ربکم واحدوان اباکم واحدالالافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لااحمرعلی اسود ولا لاسود علی احمر الا بتقوی"(۵۲)

(اے لوگو خبر دار تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ خبر دار عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوی کے)

حضرت عمر فاروقؓ نے اس اصول کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی :

"لیس بین اللہ احدنسب الابطاعته ۔ فالناس شریفھم وضیعھم فی دین اللہ سواء"(۵۳)

(اللہ اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے مگر اس کی اطاعت کے واسطہ سے۔ اس وجہ سے خدا کے قانون میں شریف اور حقیر سب برابر ہیں۔)

فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک جگہ مقامی باشندوں نے سپہ سالار فوج حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں کوئی خاص کھانا بطور تحفہ بھیجا اور یہ کہلایا کہ یہ خاص آپ کیلئے ہدیہ ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کیا تم نے اس قسم کی ضیافت فوج کی بھی کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ یہ سن کر انہوں نے ان کی ضیافت قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا :

"لاحاجة لنافیه بئس المرء ابوعبیده ان صحب قوما من بلادھم واھراقوادماء ھم دونه اولم یھریقوھا۔ فاستاثر علیھم بشئی یصبیه لا واللہ لا یاکل مماافاء اللہ علیھم الامثل مایاکل اوساطھم"(۵۴)

(ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ابو عبیدہ سے زیادہ برا آدمی کون ہو سکتا ہے جو اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آئے اور وہ اس کے حکم پر اپنا خون بہائیں اور جب مال غنیمت ہاتھ آئے تو وہ کسی چیز میں ان کے اوپر اپنے آپ کو ترجیح دے نہیں خدا کی قسم یہ بندہ خدا کے اس بخشے ہوئے مال میں سے صرف وہی کھائے گا جو دوسرے لوگ کھائیں گے۔)

قرآن وحدیث کے ان نصوص اور آثار صحابہ کرامؓ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلامی معاشرے کے تمام افراد کی معاشرتی وسماجی حیثیت بالکل مساوی اور برابر ہوتی ہے۔ اسی اصول مساوات کی بنا پر ریاست تمام شہریوں کو برابری کی بنیاد پر وہ تمام حقوق عطا کرتی ہے جن

کے وہ ازروئے شریعت مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ان حقوق کی فراہمی میں شہریوں کے درمیان کوئی فرق وامتیاز روا نہیں رکھا جاتا کیونکہ اسلام تمام شہریوں کو مساوی حقوق عطا کرتا ہے۔

اسلام کے اس اصول مساوات کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہم قیدیوں کو فراہم کردہ امتیازی سہولتوں اور رعایتوں کے مجوزہ تصور یعنی کلاس اے اور کلاس بی پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ بات اسلامی اصول سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی۔ اسلام کے اس اصول کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام مجرموں کو جیل خانہ میں مساوی سہولتیں اور آسائشیں بہم پہنچائی جائیں۔ اسلام اس امتیازی سلوک کو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ٹھہراتا کہ کچھ مجرم اپنی شان و شوکت 'مال و دولت' حسب نسب اور عہدہ و مرتبہ کی بنیاد پر جیل میں کلاس اے اور کلاس بی کی عمدہ اور فرحت بخش' آرام دہ اور پر سکون سہولتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوں اور کچھ مجرم اپنے ذاتی تنزل وادبار اور مال و دولت اور عہدہ و اختیار کی کم مائیگی کی بدولت ان سہولتوں سے محروم رہیں بلکہ ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک روا رکھا جائے۔

دراصل ہمارے معاشرے کے جیل خانوں میں مروجہ کلاس اے اور کلاس بی کا تصور استعمار پسند انگریزوں کا رائج کردہ نظام ہے جنہوں نے اس خطے پر اپنے اقتدار کے دوران اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے لاگو کر رکھا تھا۔ اسلامی ریاست میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسلام میں سربراہ ریاست سے لے کر عامۃ الناس کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔ کلاس اے اور کلاس بی کا تصور اسلامی عدل و مساوات کے منافی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" (۵۵)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

اسلامی ریاست اور عدلیہ کیلئے لازم ہے کہ وہ تمام قیدیوں کے ساتھ عدل اور انصاف کے تقاضے پورے کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ" (۵۶)

(اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔)

جیل میں قیدیوں کے ساتھ کلاس اے اور کلاس بی کا فرق وامتیاز شہریوں کے درمیان اعلیٰ وادنیٰ ہونے کی واضح تمیز ہے جبکہ عام قیدیوں کیلئے کلاس سی کی سہولتیں انسانیت کی تذلیل کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ فرق مراتب کا یہ لحاظ بالکل غیر شرعی ہے۔ البتہ تعزیر کے معاملے

میں فرقِ مراتب کی گنجائش اسلام میں موجود ہے جبکہ تعزیر اصلاح کیلئے تادیب اور زجر ہو۔

امام ابوالحسن الماوردیؒ اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں :

"اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی تادیب اسفل طبقہ کے لوگوں سے خفیف ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بڑے لوگوں کی لغزشیں معاف کر دیا کرو۔ لہذا تادیب میں فرق مراتب کا ضرور لحاظ رکھا جائے اگر حدود معینہ میں سب مساوی ہیں۔ پس بہت بڑے رتبے کے شخص کی تعزیر یہ ہے کہ اس سے اعراض کیا جائے۔ اس سے کم رتبہ کی یہ ہے کہ اس سے ناک چڑھائی جائے۔ اس سے کم رتبہ کی یہ ہے کہ اس کو جھڑکا اور برا بھلا کہا جائے جس میں تہمت یا گالی نہ ہو۔ اس سے کم رتبہ ہوں تو قید کی سزا دے۔ (۵۷)

قیدیوں سے مشقت کرانا :

قیدیوں سے مشقت کرانے کے سلسلہ میں اسلام یہ اصول مہیا کرتا ہے کہ ہر قیدی کی جسمانی طاقت واستعداد کے مطابق اس سے مشقت کرائی جائے۔ کسی قیدی پر اس کی طاقت سے زیادہ مشقت کا بوجھ ڈالنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔ اس اصول کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد یوں ہے :

"لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (۵۸)

(اللہ تعالیٰ کسی پر ناقابل برداشت بوجھ نہیں ڈالتا)

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَايُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (۵۹)

(اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہاری تنگی نہیں چاہتا۔)

قرآن حکیم کے ان احکامات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرنے سے قید کر دیا جائے تو جیل میں اس سے مشقت اس حد تک کرائی جاسکتی ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہو۔ استطاعت سے زیادہ مشقت کرانا ظلم کے زمرہ میں آتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

"من يشاقق يشقق الله عليه يوم القيامة" (۶۰)

(جس نے کسی شخص کو مشقت میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو مشقت میں ڈالے گا)

عہد رسالت میں بدری قیدیوں میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو دس دس بچوں

کو تعلیم دینے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان بدری قیدیوں کو یہ ذمہ داری ان کی خواہش و طاقت کے مطابق سونپی تھی۔

قیدیوں کا مخصوص لباس: انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں یہاں کے قیدیوں کی تذلیل و رسوائی کی خاطر اِن کیلئے ایک مخصوص قسم کا لباس تیار کر رکھا تھا جو جیل خانوں میں قیدیوں کو پہنایا جاتا تھا۔ ان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد بھی یہ مخصوص لباس ابھی تک اپنی سابقہ شکل و کیفیت سے ملتا جلتا قیدیوں کو فراہم کیا جاتا ہے۔ اسلام انسانیت کی اس طرح کی حقارت و تذلیل کو جائز نہیں ٹھہراتا۔ اگرچہ کہ اس سے کوئی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جائے پھر بھی وہ اسے اس کا جائز مقام کا مستحق گردانتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ"(۶۱)

(اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے :

"وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ"(۶۲)

(اور اس نے تم کو تمام جہان کی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔)

اسلام نے انسان کو جو عظمت اور مرتبہ عطا کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرے اور محبت سے پیش آئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

"الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله"(۶۳)

(تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف مخلوق میں سے بہترین وہ ہے جو اس کے کنبہ کی طرف احسان کرے۔)

قرآن و حدیث کے ان احکام سے عظمت انسان واضح ہو جاتی ہے۔ انسان کی اسی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ جیل میں قیدیوں کے ذلت آمیز خصوصی لباس کو ختم کیا جائے اور انہیں عام لباس پہننے کیلئے مہیا کیا جائے کیونکہ کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہونے سے اس کی تذلیل کرانا درست اقدام نہیں ہو سکتا۔ ابن آدم گناہوں سے پاک نہیں۔ لہٰذا گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد جیل میں تذلیل آمیز خصوصی لباس پہنانا انسان کو اپنے اصل مقام و مرتبہ سے گرانے کے مترادف ہے۔

جیل میں قیدیوں کی سزا کی کیفیت: جیل میں قیدیوں کو انسانیت سوز سزا دینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ سزا اس قسم کی ہونی چاہیے جس سے قیدیوں کی اصلاح ہو اور وہ اپنے گناہوں اور غلطیوں پر نادم و شرمندہ ہوں۔

فتاویٰ عالمگیری کے فقہائے کرام قیدیوں کی سزا کے متعلق لکھتے ہیں:

"قاضی کو نہ چاہیے کہ کسی قیدی کو قرضہ وغیرہ کے عوض مارے اور نہ اس کو جکڑے اور نہ بیڑی ڈالے اور نہ طوق پہناوے اور نہ پھیلا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور نہ اس کو برہنہ کرے اور نہ آفتاب میں کھڑا کرے" (۶۴)

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے جیل حکام کو قیدیوں کی سزا کے متعلق جو فرمان جاری کیا تھا اس میں یہ حکم بھی شامل تھا۔

"تمہارے قید خانوں میں جو مسلمان قیدی ہوں انہیں اس طرح باندھ کر نہ رکھو کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہ ادا کر سکیں۔ قتل کے مجرموں کے علاوہ کسی قیدی کو رات بھر بیڑیوں میں نہ رکھا جائے۔ صدقہ کی مد سے ان کیلئے اتنا روزینہ مقرر کردو کہ روٹی سالن کیلئے کافی ہو" (۶۵) مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر ایسا قیدی ہو جس کے پاس مال ہے اور وہ قرضہ ادا کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے واسطے چاہیے کہ گھری جگہ قید کیا جاوے کہ فرش وغیرہ کچھ نہ ہو اور نہ کوئی اس کے پاس جانے پاوے تاکہ اس کا قلب پریشان ہو (۶۶)

خوراک و رہائش اور دیگر ضروریات کی باحسن فراہمی:

قیدیوں کی خوراک و رہائش اور صحت و تندرستی کا مناسب خیال اور بندوبست کرنا بہت ضروری ہے۔ ان ضروریات سے غفلت اور لاپرواہی برتنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ انسان کی بنیادی ضرورت کھانے پینے کی ہے۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا" (۶۷)

(اور مسلمان اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں یتامیٰ اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں)

قرآن مجید کا کھانا کھلانے کا یہ حکم جنگی قیدیوں اور دیگر قیدیوں کیلئے عام ہے۔ انسان کی

اس بنیادی ضرورت خوراک کے متعلق اسلام جو اصول ہمیں بتلاتا ہے وہ ہے پاک وطیب خوراک کا ہونا جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"یَاَیُّھَاالنَّاسُ کلوا ممافی الارض حلالا طیبا"(٦٨)

(اے لوگو زمین میں سے حلال اور طیب چیزیں کھاؤ)

حلال اور طیب چیز سے مراد ایسی چیز ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو اور وہ خوشگوار اور فرحت بخش ہو۔

خوراک کی بنیادی ضرورت کے علاوہ صاف ستھری اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق رہائش بھی لازمی چیز ہے۔ اسلام صحت و صفائی اور طہارت وپاکیزگی پر بہت زور دیتا ہے۔ قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرماکر ارشاد ہوا :

"وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ"(٦٩)

(اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں اور گندگی سے دور رہیں)

معلم انسانیت ﷺ کا ارشاد ہے :

"الطھارۃ شطر الایمان"(٧٠)

(طہارت نصف ایمان ہے)

حضرت سعید بن مسیب ؒ فرماتے ہیں :

"ان اللہ طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافۃ کریم یحب الکرم جواد یحب الجود فنظفوا(٧١)

(بے شک اللہ تعالیٰ طیب ہے طیب کو پسند فرماتا ہے پاک وصاف ہے پاکی کو پسند فرماتا ہے کریم ہے کرم سے محبت رکھتا ہے سخی ہے سخی کو دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ بھی پاک وصاف رہو)

قرآن وحدیث کے ان نصوص سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے قیدیوں کی بنیادی ضروریات یعنی عمدہ خوراک اور صاف ستھری رہائش کی فراہمی کیلئے جامع اصول ہمیں ذہن نشین کرائے ہیں۔ قیدیوں کیلئے متوازن غذا اور فرحت بخش خوراک ان کی صحت و تندرستی کیلئے ناگزیر ہے۔ قید کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رہائش سے بھی ان کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ قیدیوں کی صحت و تندرستی کو قائم دائم رکھنے کی خاطر مناسب غذا اور رہائش کا بندوبست اسلام کے نزدیک اولین اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی ریاست اسلام کے ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی شرعاً

پابند ہے۔ قیدیوں کی بنیادی ضروریات کا انتظام سب سے پہلے علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے عراق میں کیا تھا۔ پھر امیر معاویہؓ نے شام میں ایسا ہی کیا۔ پھر ان کے بعد سارے خلفاء ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں :

"حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا طریقہ یہ تھا کہ کسی قبیلہ یا آبادی میں اگر کوئی بدمعاش آدمی ہوتا تو اسے قید کر دیتے اگر وہ آدمی صاحب مال ہوتا تو اس پر اسی کے مال میں سے صرف کیا جاتا۔ بصورت دیگر آپ اس کے اخراجات کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈال دیتے"(۷۲)

قیدی رشتہ داروں کے درمیان جدائی ڈالنے کی ممانعت :

اسلام اس بات کو درست قرار نہیں دیتا کہ ایک ماں جرم کرنے کے بعد قید کر دی جائے اور اس کی معصوم اولاد کو اس سے جدا کر دیا جائے۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة"(۷۳)

(جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالے اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے اور احباب کے درمیان جدائی ڈالے گا)

یہ حدیث پاک اگرچہ جنگی قیدیوں کے متعلق ہے تاہم اسلام کے رحمتِ عامہ کے تعلق کے حوالے سے اس کا اطلاق عام قیدیوں پر بھی ہو سکتا ہے۔

قیدیوں کی عزیز و اقارب سے ملاقات :

اسلام قیدیوں کو یہ حق بھی عطا کرتا ہے کہ ان کے رشتہ دار' دوست احباب اور پڑوسی قید کے دوران ان سے میل جول اور ملاقات کر سکیں۔ اس سلسلے میں اسلام کسی رکاوٹ اور پابندی کو جائز نہیں ٹھہراتا۔ فتاوی عالمگیری میں قیدیوں سے عزیز و اقارب کی ملاقات کے متعلق یہ تصریح ملتی ہے۔

"قیدیوں کے پاس اس کے اہل و عیال اور پڑوسی لوگوں کو جانے سے منع

نہ کیا جاوے لیکن وہاں دیر تک ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی"(۷۴)

قیدیوں کو رشتہ داروں کی وفات پر تجہیز و تکفین میں شرکت کی اجازت :

اسلام قیدیوں کو اپنے قریبی رشتہ داروں کی وفات پر ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرنے کی اجازت بھی دیتا ہے جس کی تفصیل فتاوی عالمگیری میں کچھ اس طرح موجود ہے :

"اگر قیدی کا والد یا بچہ مر گیا اور وہاں کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہیں ہے تو قیدی کو قاضی قید خانہ سے نکالے گا۔ اور یہی صحیح ہے اور اگر کوئی شخص وہاں تجہیز و تکفین کرنے والا ہو تو اس کو نکالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ قیدی سے کفیل لے کر اس کو والدین کے اور دادا دادی ایسے بزرگوں اور اولاد کی نماز جنازہ کے واسطے باہر نکالا جاوے اور غیروں کے واسطے نہ نکالا جاوے اور اسی پر فتوی ہے۔ یہ جواہر اخلاطی میں لکھا ہے اور کبری میں لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ والدین اور اجداد اور جدات اور اولاد کے جنازہ کے واسطے نکالنے میں ڈر نہیں ہے اور ان کے سوا کے واسطے نہ نکالا جاوے اور فتوی اس پر ہے کہ قرابتی ناتے کے واسطے کفیل لے کر نکالا جاوے"(۷۵)

لاوارث قیدیوں کی میت کی تجہیز و تکفین : جیل خانوں اور قید خانوں میں ایسے قیدی بھی ضرور ہوتے ہیں جن کا کوئی وارث اور سرپرست نہیں ہوتا۔ ایسے لاوارث اور پردیسی قیدیوں کی وفات پر اسلامی ریاست ان کی وارث ہوتی ہے اور ان کی اموات پر اپنی ذمہ داری بنھانے کی پابند ہے۔

امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں :

"اگر کوئی قیدی مر جائے اور اس کا کوئی سرپرست نہ ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام بیت المال سے کیا جائے اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا جائے"(۷۶)

اسلام میں قید و جیل کی غرض و غایت

معاشرتی زندگی کی استواری کیلئے قواعد و ضوابط یعنی قانون کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں۔ کیونکہ افراد اور معاشرہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے بلکہ افراد کے بغیر معاشرہ وجود میں ہی نہیں آسکتا۔ افراد اور معاشرہ کے باہمی تعلق اور روابط کو منضبط کرنے کیلئے قواعد و ضوابط کی تشکیل و تدوین کا آغاز اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے وہ باتیں سکھائیں جو اس دور کیلئے ضروری تھیں پھر وقتاً فوقتاً لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے انبیاء علیھم السلام کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالی ہر دور اور زمانے کی ضرورت کے مطابق انبیاء علیہم السلام پر قانون نازل کرتا رہا۔ آخرکار یہ قانون رسول اللہ ﷺ پر ہر دور اور ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے نازل کیا۔ چنانچہ یہ قانون وہ قواعد و ضوابط ہیں جو مسلمان قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں۔

اسی قانون کی اطاعت و تابعداری ہر شہری کا اولین فرض ہے۔ اس کے بغیر نہ ملک میں امن و سکون قائم رہ سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی عمارت صحیح بنیادوں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے :

"لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا" (۷۷)

(زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ کرو)

اللہ اور اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کو توڑنا ہی فساد کہلاتا ہے گویا فساد قانون شکنی کا دوسرا نام ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ" (۷۸)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں)

قرآن مجید کی ان آیات بینات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ اسلام کے قانون کی اطاعت و تابعداری سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں اور معاشرے میں فساد پھیلانے کے مرتکب ہوں تو ان کی اصلاح و تادیب اور معاشرتی امن و سکون کو قائم و دائم رکھنے کی غرض سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان قانون شکن افراد کو قید و بند کی صعوبت میں ڈال دیا جائے تاکہ معاشرہ ان کے شر

اور فساد سے محفوظ رہ سکے۔

اسلام میں قید وبند کی سزا کا قانون عدل وانصاف پر مبنی ہے اور اس میں انسانی فطرت کا پورا لحاظر کھا گیا ہے۔ فساد کرنے والے کو اس کے فساد کے مطابق سزا دی جا سکتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم"(٧٩)

(پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس کو اسی کے مطابق سزا دو جو اس نے تم پر کی ہے)

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به-ولئن صبرتم لهو خير للصبرين"(٨٠)

(اگر تم کسی کو ایذا دو تو اتنی ہی دو جتنی تم کو دی گئی تھی اور اگر تم صبر کر لو تو بلاشبہ صبر کرنیوالوں کیلئے صبر ہی بہتر ہے)

ایک اور جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره على الله انه لايحب الظالمين" (٨١)

(اور بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ پر ہے وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا)

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قید و جیل کی سزا کا اصل مقصد انصاف اور اصلاح ہے اگر قانون شکن افراد کو معاف کر دینے سے اصلاح ہوتی ہو تو معاف کرنا بہتر ہے اور اگر معاف کرنے سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد ہوتا ہو تو سزا دینا ضروری ہے۔

ورلڈ انسائیکلوپیڈیا میں جیل کی غرض و غایت یوں بیان کی گئی ہے:

Prisons have four major purposes. These purposes are:

(1) retribution

(2) incapacitation

(3) deterrence and

(4) rehabilitation. Retribution means

punishment for crimes against society. Depriving crimi-

nals of their freedom is a way of making them pay a debt to society for their crimes. Incapacitation refers to the removal of criminals from society so they can no longer harm innocent people. Deterrence means the prevention of future crime. It is hoped that prisons provide warning to people thinking about committing crimes, and that the possibility of going to prison will discourage people from breaking the law. Rehabilition refers to activities designed to change criminals into law-abiding citizens, and may include providing educational courses in prison, teaching job skills and offering counseling with a psychologist or social worker. (82)

ترجمہ: جیلوں کے چار بڑے مقاصد یہ ہیں:

(۱) جرائم کا بدلہ (۲) مجرموں کا خاتمہ

(۳) حوصلہ شکنی (۴) مجرموں کی اصلاح

جرائم کے بدلے کا مطلب معاشرے کے خلاف جرائم کی سزا دینا ہے۔ مجرموں کو ان کی آزادی سے محروم کرنا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے معاشرے کو ان کے جرائم کا بدلہ مل جاتا ہے۔

مجرموں کا خاتمہ معاشرے سے مجرموں کو نیست و نابود کرنے سے متعلق ہے تا کہ وہ معصوم لوگوں کو مزید نقصان نہ پہنچا سکیں۔ حوصلہ شکنی کا مطلب مستقبل میں جرائم کا تدارک ہے۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ جیلیں لوگوں کو جرائم کرنے کے متعلق سوچنے سے باز رکھیں گی اور جیلوں میں جانے کے امکان سے لوگوں میں قانون شکنی حوصلہ شکنی پیدا ہو گی۔ مجرموں کی اصلاح ایسی مصروفیات سے متعلق ہے جو مجرموں کو قانون کا پابند شہری بننے میں تبدیل کر سکے اور اس میں جیلوں کے اندر تعلیمی کورسوں کا اجراء شامل کیا جا سکتا ہے۔ فنی مہارت کی تعلیم اور ماہر نفسیات کی مشاورت یا سماجی کارکن کی خدمات سے اصلاح کی امید کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ The oxford guide to the english language P.458 oxford university press.

۲۔ المنجد، ص ۱۸۳، دارالاشاعت، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

۳۔ ایضاً ، ص ۴۵۹

۴۔ سورۃ یوسف: ۲۵، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۳٦، ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۱۰۰

۵۔ The world encyclopedia vol, 15 P. 809

٦۔ The new encyclopedia britannica vol, 9 P.710

۷۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم و پروفیسر علی ابراہیم حسن، النظم الاسلامیہ (اردو ترجمہ) مسلمانوں کا نظم مملکت مترجم مولوی محمد علیم اللہ صدیقی، ص ۳۰۳، ندوۃ المصنفین، دہلی

۸۔ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ، الفاروق حصہ دوم، ص ۲۲۸، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۹۔ سورۃ المائدہ: ۳

۱۰۔ سورۃ الانعام: ۳۸

۱۱۔ صحیح مسلم شریف، جلد اول، کتاب الایمان، ص ۱۱۱، مطبع سعیدی کراچی

۱۲۔ مولانا منظور نعمانی، معارف الحدیث جلد اول، ص ۱٦۷۔۱٦٦، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

۱۳۔ سورۃ الحدید: ۲۵

۱۴۔ مسعود الحسن خان صابری، آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، ص ۸۹، نیو بک پیلس، لاہور

۱۵۔ سورۃ آل عمران: ۷۹

۱٦۔ سنن ابی داؤد، جلد سوم، کتاب القضا، ص ۱۱۱۔۱۱۰، اسلامی اکیڈمی، اردو بازار، لاہور

۱۷۔ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ، الفاروق حصہ دوم، ص ۳۲۹، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۱۸۔ امام مالک 'الموطا' کتاب الاقضیۃ 'ص ۵۲۶' دینی کتب خانہ 'اردوبازار' لاہور

۱۹۔ مولانا امین احسن اصلاحی 'اسلامی ریاست 'ص ۱۱۳'
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 'لاہور۔

۲۰۔ ابن کثیر 'البدایہ والنھایہ (اردو) جلد ہفتم 'ص ۵۵۹' نفیس اکیڈمی اردوبازار 'کراچی

۲۱۔ سورۃ الحجرات: ۱۲

۲۲۔ سید قطب شہید 'فی ظلال القرآن (مترجم) جلد پنجم 'ص ۱۲۴۷۔۱۲۴۶'
ادارہ منشورات اسلامی منصورہ 'لاہور

۲۳۔ سورۃ الحجرات: ۶

۲۴۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری 'ضیاء القرآن جلد چہارم 'ص ۵۸۵'
ضیاء القرآن پبلیکیشنز 'لاہور

۲۵۔ صحیح بخاری شریف 'جلد سوم 'کتاب الآداب 'ص ۳۸۱'
مکتبہ تعمیر انسانیت اردوبازار 'لاہور

۲۶۔ مشکواۃ المصابیح 'جلد دوم 'کتاب الامارۃ والقضا 'ص ۱۹۲'
مکتبہ رحمانیہ اردوبازار 'لاہور

۲۷۔ محمد نجات اللہ صدیقی 'اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف'
ص ۴۹۲۔۴۹۱ 'مکتبہ چراغ راہ کراچی

۲۸۔ جامع ترمذی 'جلد اول 'ابواب الحدود 'ص ۶۴۳' مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

۲۹۔ سنن ابن ماجہ 'جلد دوم 'باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبھات 'ص ۱۰۳
دینی کتب خانہ 'اردوبازار 'لاہور۔

۳۰۔ بحوالہ مولانا امین احسن اصلاحی 'اسلامی ریاست 'ص ۱۲۰'
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 'لاہور۔

۳۱۔ محمد نجات اللہ صدیقی 'اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف'
ص ۴۹۱ 'مکتبہ چراغ راہ کراچی

۳۲۔ ایضاً 'ص ۴۹۰

۳۳۔ ایضاً 'ص ۴۹۱

۳۴۔ جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ، ص ۴۰۔ ۳۸، خورشید پرنٹرز لمیٹڈ، اسلام آباد

۳۵۔ سورۃ ص : ۲۶

۳۶۔ سورۃ المائدۃ : ۴۸

۳۷۔ سورۃ المجادلہ : ۲۰

۳۸۔ سنن ابن ماجہ، جلد دوم، باب اقامۃ الحدود، ص ۱۰۲، دینی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور

۳۹۔ صحیح مسلم شریف، جلد دوم، کتاب الحدود، ص ۸۰ ۷، مطبع سعیدی کراچی

۴۰۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم و پروفیسر علی ابراہیم حسن، النظم الاسلامیہ (اردو ترجمہ) مسلمانوں کا نظم مملکت مترجم مولوی محمد علیم اللہ صدیقی، ص ۷ ۳، ندوۃ المصنفین، دہلی

۴۱۔ مولانا عبدالسلام ندوی، اسوہ صحابہؓ جلد دوم، ص ۹۶، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

۴۲۔ ایضاً ، ص ۹۷

۴۳۔ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف، ص ۳۶۹۔ ۳۶۸، مکتبہ چراغ راہ کراچی

۴۴۔ مولانا عبدالسلام ندوی، اسوہ صحابہؓ جلد دوم، ص ۹۷، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

۴۵۔ علامہ ابوالحسن الماوردی، احکام السلطانیہ (اردو) ص ۲۹، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

۴۶۔ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف، ص ۲۷۳، مکتبہ چراغ راہ کراچی

۴۷۔ سید عبدالصبور طارق، قدیم مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل اور حکمرانوں کے خلاف فیصلے، ص ۵۱، البدر پبلیکیشنز، لاہور

۴۸۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، جلد اول، ص ۴۳، نفیس اکیڈمی کراچی

۴۹۔ سورۃ النساء : ۱

۵۰۔ سورۃ الحجرات : ۱۳

۵۱۔ جامع ترمذی، جلد دوم، ابواب المناقب، ص ۹۷، ۷ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

۵۲۔ مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ جلد دوم، ص ۱۵۸، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

۵۳۔ محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر، ص ۱۵۱، بحوالہ اسلامی ریاست از مولانا امین احسن اصلاحی، ص ۱۳۸۔۱۳۷، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۵۴۔ محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر، جلد دوم، ص ۱۱۲، بحوالہ اسلامی ریاست از مولانا امین احسن اصلاحی، ص ۳۶۱، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۵۵۔ سورۃ النحل: ۹۰

۵۶۔ سورۃ النساء: ۵۸

۵۷۔ علامہ ابوالحسن الماوردی، احکام السلطانیہ (اردو) ص ۴۹۲۔۴۹۱، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

۵۸۔ سورۃ البقرۃ: ۲۸۶

۵۹۔ سورۃ البقرۃ: ۱۸۵

۶۰۔ صحیح بخاری شریف، جلد سوم، کتاب الاحکام، ص: ۷۶۱، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور

۶۱۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۷۰

۶۲۔ سورۃ الاعراف: ۱۴

۶۳۔ مشکواۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص ۴۵۳، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور

۶۴۔ فتاوی عالمگیری مترجم سید امیر علی، جلد پنجم، کتاب ادب القاضی، ص ۲۲۳، ادارہ نشریات اسلام اردو بازار، لاہور

۶۵۔ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف، ص ۴۳۴، مکتبہ چراغ راہ کراچی

۶۶۔ فتاوی عالمگیری مترجم سید امیر علی، جلد پنجم، کتاب ادب القاضی، ص ۲۲۷، ادارہ نشریات اسلام اردو بازار، لاہور

۶۷۔ سورۃ الدھر: ۸

۶۸۔ سورۃ البقرۃ: ۱۶۸

۶۹۔ سورۃ المدثر: ۴۔۵

۷۰۔ صحیح مسلم شریف، جلد اول، کتاب الطہارۃ ص ۲۶۵، مطبع سعیدی کراچی

۷۱۔ جامع ترمذی، جلد دوم، ابواب الاستیذان والآداب، ص ۲۹۰، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

۷۲۔ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف، ص ۴۳۴، مکتبہ چراغ راہ کراچی

۷۳۔ جامع ترمذی، جلد اول، ابواب السیر، ص ۴۰۷، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

۷۴۔ فتاوی عالمگیری مترجم سید امیر علی، جلد پنجم، کتاب ادب القاضی، ص ۲۲۷، ادارہ نشریات اسلام اردو بازار، لاہور

۷۵۔ ایضاً، ص ۲۲۶

۷۶۔ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابی یوسف، ص ۴۳۶، مکتبہ چراغ راہ کراچی

۷۷۔ سورۃ الاعراف: ۸۵

۷۸۔ سورۃ المجادلہ: ۲۰

۷۹۔ سورۃ البقرۃ: ۱۹۴

۸۰۔ سورۃ النحل: ۱۲۶

۸۱۔ سورۃ الشوریٰ: ۴۰

۸۲۔ The world Encyclopedia vol, 15 P.810.